Title - KHUTBA-E-SADARAT; HYDERABAD EDUCATION CONFERENCE; GYAREHWAN IJLAS.

Creator - Mohd. Abdur Rehman Khan.

Publisher - Azam Steam Press (Hyderabad).

Date - 1347.

Pages - 36.

Subject - Taleem - Khutbaat; Educational conference

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس

گیارھواں اجلاس

خطبۂ صدارت

جناب مولوی محمد عبدالرحمن خان صاحب

سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ

۱۲ مہر ۱۳۴۷ف روز پنجشنبہ

بمقام

ٹاون ہال باغ عامہ

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر حیدرآباد

معزز خواتین و حضرات

کوئی آٹھ سال قبل اسی ٹاؤن ہال میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا دسواں اجلاس عام منعقد ہوا تھا اور خوش قسمتی سے اس کی صدارت کی عزت مجھ ہی کو نصیب ہوئی تھی۔ اُس کے خطبۂ صدارت میں میں نے ملک کے اہم تعلیمی مسائل پر تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کئے تھے اور بتایا تھا کہ ہمارے لئے اسوقت تعلیم کے کن شعبوں پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اور علی الخصوص ہمارے ملک میں ابتدائی و اعلیٰ تعلیم بمقابل ہندوستان کے دیگر حصوں کے کس رفتار سے ترقی کر رہے ہیں ٹیکنیکل تعلیم کا بھی مجملاً ذکر کیا گیا تھا اور اُس زمانہ کے حالات کے مدنظر چند تعمیری تجاویز پیش کئے گئے تھے۔ الحمد اللہ اس مدت میں تعلیم کے جملہ شعبے سرعت کے ساتھ ترقی کر گئے اور موجودہ حالت کافی اطمینان کے قابل ہے۔

کانفرنس نے اگرچہ اپنے دسویں اجلاس عام کے بعد کوئی
نمایاں کام نہیں کئے تاہم اس کے تعلیمی وظائف مثل سابق جاری
رہے اور نادار طلبہ کو ان سے بہت مدد ملتی رہی۔ اگر کانفرنس کے
پہلے اجلاس عام سے جو رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری (نواب حیدر
نواز جنگ بہادر) کی زبردست صدارت میں منعقد ہوا تھا اب تک
کے جاری کردہ وظائف کا حساب لگایا جائے تو اس کی میزان
چہتر ہزار روپیہ سے متجاوز ہو جاتی ہے اور ملک کے ہونہار طلبہ
کی ایک کثیر تعداد کو اس امداد سے استفادہ کرکے اچھی خدمات
حاصل کرنیکا موقعہ ہاتھ آیا۔

اگرچہ میرا تعلق اس کانفرنس کے ساتھ بحیثیت رکن مجلس انتظامی
و منتخبہ وظائف وغیرہ قیام کانفرنس ہی سے چلا آرہا ہے لیکن ۱۲ اسفندار
سنہ ۱۳۴۶ف سے میرے تعلقات اس کے ساتھ قریب تر اور مضبوط تر ہوگئے
جبکہ اس کی مجلس انتظامی کے ایک جلسہ میں جو بعض دیرینہ ملتوی شدہ
معاملات کے تصفیہ کے لئے منعقد ہوا تھا ارکان مجلس نے مجھکو اس
کا صدر منتخب فرمایا۔ میری علمی مصروفیتیں جو سرکاری ملازمت سے
وظیفہ پر سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد بہت بڑھ گئی تھیں مجھ کو اجازت
نہیں دیتی تھیں کہ اس قسم کا بار اٹھاوں لیکن احباب کا تقاضا
اور اُس وقت کی فضا، دونوں نے مجھکو مجبور کیا کہ اس کار خیر کے
لئے بھی وقت نکالا جائے۔

چند ہی دنوں بعد مجلس انتظامی نے تصفیہ کر لیا کہ حسب روایات
سابقہ کانفرنس اپنا سالانہ اجلاس عام منعقد کیا کرے اور اپنے

دائرہ عمل کو قدیم وسعت پر پہنچا کر حاضرہ تعلیمی مسائل سے باخبر رہنے کی کوشش کرے۔ سال حال کے جلسہ کی صدارت کا جب سوال پیش ہوا تو مجھ غریب ہی کو ازراہ محبت منتخب فرمایا۔ میں نے ہر چند عذرات پیش کئے کہ اس وقت متعدد قومی کام میرے تفویض ہو گئے ہیں اور میرے خالص علمی مشغلہ کو ان سے بہت حرج پہنچ رہا ہے، لیکن کوئی عذر تسلیم نہیں کیا گیا اور ارشاد ہوا کہ زمانہ کے تغیر و تبدل کے لحاظ سے تعلیم کے مسائل بھی بدلتے جاتے ہیں۔ موجودہ حالات کے مدنظر اپنے خیالات ظاہر کروں۔

موجودہ مہذب دنیا

کی تعلیمی فضا پر ایک سرسری نظر

میں یہہ کہنے پر مجبور رہوں کہ تمام دنیا میں عہد حاضر کے جملہ مسائل انتہا درجہ پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں۔ اہل مغرب کو گزشتہ پچاس سال میں آب و آتش خاک و باد پر اس قدر سرعت کے ساتھ دسترس حاصل ہوا اور انھوں نے سائنس کی مدد سے اپنے آرام و آسائش کے ذرائع بہم پہنچانے میں ایسی نمایاں کامیابی حاصل کی کہ ان کا ایک ذی اثر گروہ اپنے غرور میں انسانی زندگی کے ابتدائی اصول ہی کو نظر انداز کرنے لگا۔ فطرت کے چند راز معلوم کرلینے کے بعد یہہ گروہ انسان کی اصلیت کو بھی فراموش کرگیا۔ حلم مروت ہمدردی و موانست جو ترقی یافتہ حیوانات کے بھی خصوصیات طبعی میں داخل ہیں اور جن کی بدولت انسان وحشی درندوں کے زمرہ سے نکلکر اپنا نیا جنم قایم کیا ہے اس گروہ کی نظروں میں کمزوری کی علامتیں دکھائی دینے لگیں۔ مذہب وہم پرستی کا مرادف سمجھا جانے لگا۔ دین و آئین سہولت و افادیت کے تابع قرار دیئے گئے۔ اپنوں پرایوں میں زمین و آسمان کا تفاوت حائل کیا گیا اور ایسے ماحول میں ذہنیت کو مسخر کرکے قومیت کو تشکیل دینے کیلئے تعلیم جیسی پاک و متبرک چیز پروپاگنڈے کا ذریعہ بنائے جانے لگی۔ زاری حکومت کے سقوط کے بعد نہ صرف روس میں

یہہ جابرانہ طریقہ رائج ہوا بلکہ اس کی مادی ترقیوں سے متاثر ہوکر جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک نے بھی اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے ضروری تغیر و تبدل کے ساتھ اس جابرانہ طریقہ کو اختیار کرلیا۔ اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پبلک فضا بھی کہیں کہیں عصر جدید کے اس غلط طریقہ تعلیم سے شاید متاثر ہوجائے لیکن انگلستان بشمول نوآبادیات اور امریکہ وغیرہ ہنوز اس زہریلے اثر سے مصئون و مبرا ہیں۔

عہد حاضر کی اس خوفناک تصویر کو دیکھ کر کوئی شخص اطمینان کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اور لطف کی بات تو یہہ ہے کہ جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے۔ تہذیب ہی کا نتیجہ تصور کیا جارہا ہے۔ پس ہمیں متنبہ ہوجانا چاہئے کہ روس جرمنی اور اٹلی جیسے ممالک کی ظاہری مادی ترقی کو دیکھ کر ان کے اصول تمدن و تعلیم کی اندھی تقلید سے پرہیز کریں۔

تعلیم کا صحیح مقصد انسان کا ذہنی و جسمانی دماغی و اخلاقی ارتقاء ہے۔ فطرت ہی نے ہم کو تعلیم کی تلقین کی ہے اور اپنے روز ازل کے نافذ کردہ طریقہ کے بموجب ہماری تخلیق کے ساتھ ہمارے دلوں میں اس کا بیج بوکر ہم سے توقع کرتی ہے کہ ہم اپنے قوائے احساس و ادراک کی مدد سے اس کی پرورش کریں اور اس کے نشو ونما سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ حیاتیات کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اسی راستہ سے چلکر نہ صرف دیگر حیوانات پر فوقیت حاصل کرسکا بلکہ بتدریج کلیات فطرت سے واقف ہوکر اپنے

گرد و پیش کی سب چیزوں کو مسخر و محکوم کرنے کا عازم ہوا۔ درحقیقت
اسی جدّ و جہد کے ذریعہ اس میں تہذیب و شائستگی پیدا ہو سکی۔
بیجان مادہ اور کمتر پایہ کے حیوانات پر اس کو جو مسلسل فتح حاصل ہونے
لگی اس کا نشہ اس کی یاد سے شائستگی کی حقیقت ہی کو بھلا دیا جو
اس نے ہزار ہا سال کے تجربہ کے بعد سیکھی تھی۔

بنی نوع انسان کا مقامی و موقت خفیف امتیازات کے لحاظ سے
مختلف گروہوں یا قوموں میں منقسم ہو کر اپنی محدود جماعتوں میں کامل
اتحاد کی زندگی بسر کرنا اور ساتھ ہی اپنے بنی نوع (جنکو بنی عم کہنا بیجا نہ ہوگا)
کے دوسرے گروہوں کے ساتھ ملنساری اور ہمدردی کے ساتھ پیش
آنا فطرت ہی کا سکھایا ہوا سبق تھا اور اسی سبق کی مدد سے انسان
انسان بنا۔ لیکن بدقسمتی سے یہہ خوبیاں اس کی طبیعت کا جزو لاینفک
صرف اس وقت تک ہی کہ وہ موسمی انقلابات کی صعوبت سے ہراساں رہا
رعد و برق زلزلہ اور وبائی بیماریوں کے نقصانات کی سرعت کے
ساتھ تلافی نہ کر سکا۔ اب جبکہ اس نے ان آفات سماوی کے ظاہری
اسباب سے یک گونہ واقفیت حاصل کر کے اگر ان کے کامل انسداد
کے تدابیر نہیں معلوم کر سکے تو کم از کم ان پر اتنا دسترس حاصل کر لیا
ہے کہ اپنے دنیاوی کاروبار کو ان سے بہت کم متاثر ہونے دیتا
ہے۔ اپنی ماں پیٹ کی سیکھی ہوی خوبیوں کو ترک کرنا شروع کر دیا
جانوروں اور بیجان مادّہ پر غلبہ پا لینے کے بعد خود اپنے
بنی نوع کو مسخر کرنے کی دھن میں پڑ گیا۔ گویا اجتماعی خود
کشی پر آمادہ ہو گیا۔

سائنس کیساتھ مغرب کی مادی ترقی

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب کی حالیہ مادی ترقی سائنس ہی کی مدد سے ہوئی ہے۔ ماہران سائنس نے زیادہ تر خالص تلاش حقیقت کے جذبہ میں دنیا وما فیہا سے کنارہ کشی کرکے اپنے انقلاب انگیز معلومات شائع کئے اور ان سے فائدہ اٹھا کر مفکرین کے ایک دوسرے طبقہ نے خیر کی امداد اور شر کے انسداد کی نیت سے روز افزوں قوت و رسائی کے آلات و ایجادات، مرکبات و مفردات ایجاد کئے، لیکن افسوس صد افسوس کہ ذی اقتدار و سرمایہ دار جنگجو قوموں نے ان کو دوسرے ہی کاموں پر لگا دیا جس کی وجہ سے دنیا کا امن مخدوش ہوگیا۔ مدافعت کے نام سے محاربت و مجادلت کے ساماں کثیر مقدار میں جمع ہونے لگے اور وہ چیزیں جو حکمت و تحقیق کی بہترین پیداوار متصور ہوسکتی تھیں عالمگیر قتل و غارتگری کے ذرائع بن گئیں۔ اس بات کی ذمہ داری سائنس یا اس کے شیدائیوں کے سر تھوپنا سراسر ناانصافی ہے۔ حقیقی ذمہ دار دراصل وہ لوگ ہیں جو ان نعمتوں کا بیجا استعمال کرتے ہیں۔ بقول حضرت سعدی رح

تراتیشہ دادم ہیزم شکن نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

زہریلی گیسوں اور تباہ کن بمب کے گولوں سے حبشہ وغیرہ کی نہتی اور نادار قوموں پر اٹلی نے جو آفتیں ڈھائی ہیں اور ان مہلک اسلحہ و آلات حرب کی تیاری سے ترقی یافتہ اقوام کے خزانوں پر جو ناقابل

برداشت بار پڑ رہے ہیں اور عامہ خلایق میں ہمسایہ ممالک کے اچانک
حملوں کے خوف سے جو اضطراب و اضطرار پھیلتا جا رہا ہے محتاج
بیاں نہیں۔

مہذب و تعلیم یافتہ دنیا کو اس عالمگیر تباہی سے نجات
دلانے کا واحد طریقہ اصلاح تعلیم ہے۔ قومیت کا واجبی احساس
تہذیب و شائستگی کے لئے جس طرح مفید ہے اسی طرح اس کا غلو بھی
سخت مضر ہے۔ بنی نوع انسان کو اوائل عمر میں اگر ایشائی مفکرین
کے پند و نصائح سے مناسب طریقہ پر روشناس کرایا جائے تو
کیا عجب کہ دنیا میں پھر سے امن و اطمینان کا دور دورہ شروع
ہو جائے۔ اس سے بہتر کیا استدلال پیش ہو سکتا ہے کہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند   کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضو ہا را نماند قرار

مختلف ممالک کے ماہران سائنس اور مدبرین کی ایک بڑی جماعت
نے دنیا کو اس ہیبت ناک خطرہ سے بچانے کے لئے جو تدابیر و تجاویز
پیش کئے ہیں اس میں بتایا گیا ہے کہ نصاب تعلیم میں حیاتیات
کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے تاکہ متعلم کو معلوم ہو سکے کہ
انسان کیا ہے زندگی کسے کہتے ہیں اور ارتقاء کا صحیح مفہوم کیا ہے
جغرافی اختلافات کا قوموں کی تعمیر و تخریب پر کیا اثر رہا۔ جو علم
ان دنوں تاریخ کے نام سے مشہور رہے وہ بنی نوع انسان کی تاریخ
کہلانے کا کس حد تک مستحق ہے واقعات کے ساتھ مطبوعہ بیانات
کہاں تک منطبق ہو سکتے ہیں اور سچائی کے معلوم کرنیکا قابل اعتماد طریقہ کیا ہو سکتا ہے

اسی طرح سائنس کے انکشافات اور اپنے قائم کردہ نظریوں میں کیا فرق ہے۔ جہلاء کا عام خیال کہ سائنس منکر ذات باری ہے اور مذہب و دین و آئین کا منافی سراسر بہتان ہے۔ اس موقعہ پر میں واربرگ (Warburg) نامی ایک جدید بلند پایہ محقق کا مقولہ پیش کرتا ہوں جو اس نے حیاتیات کی ایک سنسنی خیز تحقیق کے ضمن میں کہا تھا اس کا تعلق دراصل جاندار اجسام سے خارج ہونے والی شعاعوں سے تھا جو بھوت پریت سے نہیں۔

" In Science one cannot prove there are no ghosts

ایسی صورت میں سائنس کو منکر ذات باری قرار دینا بہتان نہیں تو پھر کیا ہے؟

مذہبی تعلیم سے استفادہ کی ضرورت

یورپ میں جس طرح حیاتیات کے ذریعہ بنی نوع انسان کی حقیقی یگانگت کی تلقین پر زور دیا جا رہا ہے، ایشائی ممالک علی الخصوص ہندوستان میں مذہبی تعلیم کے ذریعہ یہہ بات بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔ کسی مذہب کا عالم اگر وہ عالم کہلانے کا مستحق ہے تمام مذاہب میں خیر و شر کے مابین ایک ہی قسم کا امتیاز اور اخلاق کے ایک ہی نوع کے اصول دیکھتا ہے رسم و رواج کی تفصیلات سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو تمام مذاہب بنی نوع انسان کے اتحاد کے حامی نظر آئیں گے۔ ہمیں چاہئے کہ مذہب کے ان اساسی کلیات وارشادات سے فائدہ اٹھائیں اور روئے زمین سے فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیں

ہندوستان کی موجودہ تعلیمی فضاء

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے موجودہ مہذب دنیا کی مکدر فضا کے علمی مسائل اور ان کے اصولی حل کی تفہیم پر کافی وقت صرف کیا ہے۔ اب مجھے چاہیئے کہ ہندوستان کے حالیہ تعلیمی اداروں اور اسکیموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں اور اس کے ساتھ ساتھ ممالک محروسہ سرکار عالی کے جدید تعلیمی تجاویز سے متعلق جہاں تک کہ سررشتہ کی شائع کردہ رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کچھ مخلصانہ خیالات اور اپنے دیرینہ تجربہ پر مبنی مشورے پیش کروں۔ میں پہلے ہی سے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا انشاء ہرگز نہیں ہے کہ سرکار عالی یا سرکار عظمت مدار کی حالیہ تعلیمی پالیسیوں پر نکتہ چینی کروں۔ جس شخص سے تیس سال تک سررشتہ تعلیمات نے ہر اہم کام میں مدد لی اور جس کو جامعہ عثمانیہ کے ارتقائی دور میں اس کے سب سے زیادہ سربرآوردہ ادارہ کو ہندوستان کے بلند ترین معیار کمال تک پہنچانے کا موقعہ ملا ہو اس سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی معترضانہ طرز اختیار کرے۔ اول تو اس کی خودداری اس کو بے طلب کئے کوئی رائے یا مشورہ دینے کی اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ بھی اب کہا جائیگا وہ محض اس وجہ سے کہا جائیگا کہ کانفرنس ملک کے علماء و علم دوست حضرات کی ایک ممتاز جماعت ہے اور اس نے اس کو اپنا نمایندہ منتخب فرمایا ہے جو بھی مشورہ دیا جائیگا وہ اس نیت پر مبنی ہوگا کہ سررشتہ اس سے فائدہ اٹھائے اور ملک مخالفین کے اعتراضوں

سے نیچے۔ معہذا حتی الامکان خود پبلک ہی پر واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ حکومت کے ساتھ کس طرح ملک کی تعلیمی خدمت میں دوش بدوش چل سکتی ہے اور کہاں تک اس کا ہاتھ بٹا سکتی ہے
آج کل ہندوستان بھر میں یہی سننے میں آرہا ہے کہ تعلیم یافتہ بہت ہو گئے ہیں لیکن روزگار حاصل کرنے کے قابل بہت کم ہیں۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو انکی تعلیم ایسی نہیں ہوتی ہے کہ وہ موجودہ نوکریوں کے قابل بن سکیں۔ یا نوکریاں ایسی نہیں ہیں کہ موجودہ طرز کے تعلیم یافتہ ان کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ بہرحال دونوں قسم کے نقص کوشش سے رفع ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا اصلی مطلب زیادہ تر یہی ہے کہ متعلم ماہران علوم و فنون کے انتہائی علمی انکشافات و تحقیقات سے روشناس کرائے جائیں اور اگر ممکن ہو تو متعلم فارغ التحصیل ہو کر خود بھی اپنی ذہانت طبع اور ذاتی کوششوں سے حدود علم کو وسیع سے وسیع تر بنائیں۔ واضح ہے کہ جب تک اس انتہائی کمال کے علما بڑی تعداد میں تیار نہوں موجودہ زمانہ کے معیار سے ملک مہذب نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم کے ادارے دنیا کے روزمرہ کاروباری خدمات کے لئے امیدوار پیدا کرنے کے لئے اگر ناموزوں نہیں تو براہ راست موزوں ہونا بھی لازمی نہیں ہے۔ پس حقیقی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ سررشتہ تعلیم کے لئے یہہ بھی ضروری ہے کہ ایسی تعلیم کے ذرائع کا انتظام کیا جائے جو عامہ متعلمین کو نوکریوں کے قابل بنا سکیں۔ اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے باستثنا ان عہدوں کے جو چند خوش قسمت یا مقابلہ کے امتحانوں میں سبقت لیجانیوالوں یا ذی اثر لوگوں کو مل سکتے ہیں اور

فوج و پولیس کی عام ملازمتوں کے جن کے لئے عموماً اعلیٰ تعلیم کی چنداں
ضرورت نہیں سمجھی جاتی تقریباً جتنی بھی دوسری خدمتیں ہیں منشی گری
یا اس کے مماثل نوع ہی کی ہوں توتا علیٰ تعلیم پر حرف رکھا جا سکتا ہے اور
نہ اعلم تعلیم کے طلبگاروں پر۔ خود ملازمتوں کی نوعیت تبدیلی کے قابل
قرار دی جا سکتی ہے۔ مگر واضح ہے کہ بلا ضرورت خدمات کی نوعیت بدلنے
سے اندیشہ ہے کہ جو کام اب چل رہا ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوگی
ایسے ہی ناموافق ماحول میں وہ بدقسمت گروہ پیدا ہوتا ہے جس کو
بعض سربرآوردہ مرفہ الحال مدّبر (Learned Beggars)
کے نام سے مخاطب کرتے ہیں - غالباً اس نام سے ان کا مقصد محض
تعلیم یافتہ بھکاری (Educated Beggars) ہے عالم بھکاری
نہیں۔ تعلیم یافتہ بھکاریوں کا وجود ہی انسانی تمدن کے لئے باعث
ننگ ہے۔ اگر کسی ملک میں علما ر بھکاریوں کے زمرہ میں داخل ہوگئے
تو اس ملک سے بدتر کوئی ملک نہو سکیگا ۔

ٹکنیکل تعلیم کے رواج کے طریقے

تعلیم یافتہ بھکاریوں کے انسداد کے لئے حال میں برطانوی
ہند اور ممالک محروسہ سرکار عالی میں بھی تجاویز سوچے گئے ہیں اور ان پر عمل
کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے - اگرچہ میں اُن خوش قسمت لوگوں میں
سے نہیں ہوں جن کی رایوں سے سررشتہ تعلیمات نے بطور خاص فائدہ
اٹھانا چاہا تاہم میں نے سابق ناظم تعلیمات سے ایک مرتبہ ملاقات

کرکے (Reorganisation of Education سے متعلق سب کمیٹی
کی رپورٹ حاصل کرلی - جہاں تک میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے پیشکش وہ
تجاویز مناسب حال معلوم ہوتے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ اس اسکیم کے
جاری ہونے پر وہ طالب علم جو درحقیقت اعلیٰ تعلیم سے استفادہ
کرنے کے اہل نہیں ہیں ٹکنیکل تجارتی یا زراعتی کاموں میں روزگار سے
لگ جائیں - لیکن اس ضمن میں چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری
سمجھتا ہوں - اول تو ہمیں یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انگلستان یا دیگر مغربی
ممالک میں صنعتی مدارس سے پہلے صنعت وحرفت کے کارخانے قائم
ہوگئے - اور جیسا کہ جی - اے - ین - لانڈوز کی ایک مختصر حال ہی کی
شائع شدہ کتاب مطبوعہ آکسفرڈ یونیورسٹی پریس (The Silent
Social Revolution) سے واضح ہوتا ہے ٹکنیکل مدارس
میں نہ صرف کارخانوں میں کام کرنے والے بچوں اور نوجوانوں کو
ٹکنالوجی وغیرہ کے باقاعدہ اصول سکھائے جاتے ہیں بلکہ ان لوگوں
کے لئے جو نوعمری میں اپنا اور اپنے والدین کا پیٹ پالنے کے لئے
ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی کارخانوں میں نوکر ہو جاتے ہیں
ثانوی اور کلچرل تعلیم کے تشفی بخش ذرائع بہم پہنچانے کی بھی کوشش
کی جاتی ہے - بہرحال یہہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ٹکنیکل تعلیم سے جو توقع کیجاتی
ہے وہ بدرجہ اتم اسوقت حاصل ہوگی جبکہ ملک میں صنعت وحرفت
کو خاطرخواہ فروغ ہوگا - ظاہر ہے کہ اس مبارک دن کے انتظار
میں ٹکنیکل مدارس کا افتتاح ملتوی رکھنا دانشمندی کا شیوہ نہ ہوگا - کیا
عجب کہ یہہ صنعتی مدارس خود آگے چلکر دوراندیش سرمایہ داروں کو

صنعتی کارخانے قائم کرنے کی ترغیب دلائیں۔

صنعتی کارخانوں کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے سامنے ان شکستہ دل جاں بلب لوگوں کی صورتیں حاضر ہو جاتی ہیں۔ جنہوں نے اپنی عمر بھر کی مختصر کمائی ملک کی خدمت کے شوق اور حلال فائدہ کی ہوس میں مہتم بالشان ڈائرکٹروں کے رعب دار ناموں سے گرویدہ ہو کر کارخانوں کے حصص خریدنے میں خرچ کر دی اور بعد کو کارخانوں کے دیوالیہ ہونے کے ساتھ تباہ و تاراج ہو گئے۔ اگر ان کو کوئی خیال خوشی دلا سکتا ہے تو شاید یہی کہ انکی محنت کا پیسہ جب تک یہ کارخانے چل سکے ان کے تنخواہ دار ملازمین وغیرہ کو معتد بہ فائدہ پہنچاتا رہا۔ گویا ملک کی خدمت کا شوق پورا ہو گیا اور بس۔ یہی حال ہمارے ملک کے چھوٹے بنکوں کا ہے جو بد قسمتی سے ملک میں چاروں طرف پھیلتے جا رہے ہیں اور سیکڑوں خاندانوں کو برباد کر رہے ہیں۔ اگر حکومت ان امور کی طرف فوری توجہ کر کے مناسب تدابیر اختیار نہ کریگی تو لوگ صنعت و حرفت و تجارت و بنکنگ کے نام سے ایسے ڈریں گے جیسے بچے کڑوی دوا سے۔

صنعت و حرفت کی کامیابی کے تدابیر

مجھ سے بہ حیثیت ایک سائنس دان ہونے کے حال میں ایک مشہور ہندوستانی صنعتی سرمایہ دار نے جن کے شکر سازی وغیرہ کے کارخانے ملک کے مختلف حصوں میں کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دریافت

کیا کہ ملک کی صنعت و حرفت کی کامیابی کے لئے میں سب سے بڑھ کر کس چیز کو اہمیت دیتا ہوں ۔ میں نے اسی وقت جواب دیا کہ پہلے ایمانداری کو اور پھر فنی واقفیت کو۔ انھوں نے یہہ سن کر کہا کہ سالہا سال کے تلخ تجربہ نے انھیں بالکل یہی سبق سیکھا یا ہے جو میں نے ان کو سنایا ۔ ایمانداری کی تلقین تو اس زمانہ میں خدا ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے ۔ البتہ فنی واقفیت اعلیٰ تعلیم اور بلند پایہ تحقیقاتی تجربہ خانوں کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے ۔ حکومت یا خود کارخانوں کی طرف سے سرکاری یا قومی ریسرچ کونسل منتخب ہوسکتی ہے جس میں خالص سائنس اور مختلف صنعتوں زراعت وغیرہ کے صاحب کمال حتی الامکان خدمت ملک ہی کی خاطر شریک ہوکر اپنے بیش قیمت مشوروں سے مدد دے سکتے ہیں ۔ گزشتہ ماہ (جولائی) کے سائنس اینڈ کلچر (Science and Culture) میں اسی کے مماثل رائیں ظاہر کی گئی ہیں ۔

رہا یہہ امر کہ سردست ملک میں کون کونسی صنعتیں جاری کرنے کے قابل ہیں اور وہ کہاں کہاں جاری کی جاسکتی ہیں ۔ اس کے لئے شاید سب سے اچھا طریقہ یہہ ہو گا کہ پہلے دورہ کرنے والے عہدہ داران مال وتعلیمات اور ایسے معاملات سے خاص دلچسپی رکھنے والے اصحاب سے اس بارے میں رائیں طلب کی جائیں ۔ ان کے وصول ہونے پر محکمہ صنعت و حرفت سے مشورہ کر کے ایک کمیٹی مقرر کیا جائے جو اضلاع میں دورہ کر کے ایک معینہ مدت کے اندر مکمل رپورٹ پیش کر دے اور اس کے بموجب سرمایہ داروں کو دعوت دی جائے

کر نشاندادہ صنعتوں کیلئے کمپنیاں قائم کی جائیں جن میں سرکار کی طرف سے بھی مناسب تعداد حصص خریدے جائیں گے یا حسب ضرورت قرضے دئیے جائیں گے تاکہ ان کے کاروبار پر سرکار کی طرف سے کافی نگرانی رکھی جاسکے۔

ہندوستان اپنے آپ کو زیادہ تر زراعتی ملک تصور کرنے کی وجہ سے اس کو صنعت و حرفت کے میدان میں عزم کے ساتھ قدم رکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ ریاست میسور نے شایداس کام میں تقدیم کی ہے۔ حیدرآباد کو بھی چاہیے کہ اس طرف جلد توجہ کرے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے معاش کے مفید اور قابل اعتماد ذرائع مہیا ہو سکیں۔

زراعت کی ترقی کے متعلق قبل ازیں تحریک کی جاچکی ہے کہ جامعہ میں اس کا ایک شعبہ کھول دیا جائے اور اس کے فارغ التحصیل طلبہ کو خاندانی تعلق، مالی حالت اور ہمت کے لحاظ سے رعایت پر زمینات دیکر انھیں موقعہ دیا جائے کہ اپنے آپ کو اس کام کے لئے موزوں ثابت کریں۔

ہماری جامعات کے معلم و متعلم

ہندوستان کی جامعات کے تعلیمی نتائج پر تنقید کرنے والے خود ہندوستانی حضرات کی اکثر یہی رائے پڑھی گئی کہ ان میں تعلیم پانے والے زیادہ تر اعلیٰ تعلیم کے ناقابل ہیں جو محض کوئی اور کام یا

دھندہ نہ ملنے کی وجہ سے جامعات میں داخل ہو کر ڈگری کے سہارے تحریری مدرسی وغیرہ کے معائل خدمات پر مامور ہونا چاہتے ہیں۔ جہاں تک میں نے خود غور کیا ہے یہ خیال ایک حد تک ضرور صحیح ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہند کی جامعات کے اکثر ناکامیاب طلبہ یورپ یا امریکہ جا کر کوئی نہ کوئی طیلسان لئے بغیر نہیں لوٹتے تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان بیرونی ممالک میں تعلیم بہتر ہوتی ہے یا وہاں کے امتحان زیادہ معقول ہوتے ہیں۔ پس ہند کی جامعات میں ابھی اصلاح تعلیم کی بہت گنجائش ہے اور یہاں کے امتحانوں کے طریقے بھی محتاج ترمیم ہیں۔ مغربی جامعات میں پڑھانے والے استاد یا پروفیسر ہند کی جامعات کے پروفیسروں سے (باستثنا چند) یقیناً زیادہ قابل اور زیادہ فرض شناس ہوتے ہیں۔ قبل اس کے کہ طلبہ کی قطعی نااہلی تسلیم کرلی جائے ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری جامعات کے اساتذہ تعلیم کے زیادہ دلدادہ ہوں اور طلبہ کی تفہیم و تشویق کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ متعلم کی شگفتگی طبع و ذہانت کو معلم کی توجہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ کیمبرج کے ایک مشہور ریاضی کے کوچ (استاد) کی بنت یہ قصہ مشہور ہے کہ اس کا دعوی تھا کہ اسکی جماعتوں میں کسی معیار قابلیت کا متعلم بھی شریک ہو کر اعلی درجہ کا رنیگلر ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی ہدایت پر عمل کرے۔ روایات اگرچہ بمدد ایام دستا نزافواہ کے ساتھ اصلیت سے بہت کچھ متجاوز ہو جاتی ہیں۔ بریں ہم جن لوگوں کو یورپ کے ماہران فن کی

حقیقی شاگردی نصیب ہوی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان بزرگ ہستیوں کا اثر متعلم کے ذہنی و دماغی ارتقار پر کس قدر زبردست ہوتا ہے

فن تعلیم سے مجھکو عمر بھر کا تعلق رہا ہے۔ اسکول اور کالج کے ہر قسم کے طالب علم میرے شاگرد رہے ہیں۔ سالہا سال کے تجربہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو طالب علم اچھے استاد کی شفقت سے محروم رہتا ہے علم کے میدان میں بہت کم سبقت لیجاتا ہے تحقیق و تجسس کی بلندی تک اس کی پرواز قریب قریب ناممکن ہے تا وقتیکہ اس کا رہنما گرو اس کو اپنا سعادتمند چیلا تصور نہ کرے۔ تعلیم کے ابتدائی مدارج میں بھی اگر اس کو فرض شناس رہبر کی دستگیری نصیب نہوں تو اس کی عمر کا بڑا حصہ رائیگاں جاتا ہے۔ اکثر طلبہ ریاضی، انگریزی اور سائنس میں کمزور رہنے کی اصل وجہ یہہ ہے کہ ان بیچاروں کو ابتدائی جماعتوں میں ایسے مدرسین سے سابقہ پڑتا ہے جو خود ان مضامین سے دلچسپی نہیں رکھتے اور نہیں جانتے کہ مبتدی کی دقتین کیا ہیں اور کیسے رفع ہوسکتی ہیں۔

حیدرآباد میں مزید محققین کی ضرورت

گزشتہ چند سال میں الحمد للہ ہمارے ملک حیدرآباد میں
چند قابل تعریف طالب علم پیدا ہو گئے۔ اور چونکہ انکی اچھی دیکھ
بھال کی گئی اور ان کو بعطائے وظائف دنیا کی بہترین درسگاہوں
میں تعلیم دلائی گئی انھوں نے نہ صرف امتحانوں میں اچھے درجے حاصل
کئے بلکہ ان درسگاہوں سے واپس آنے کے بعد بھی تحقیق و تجسس
کا سلسلہ قائم رکھا اور اپنے ہمچشموں میں اعزاز و امتیاز حاصل
کیا۔ اس میں سے اکثر و بیشتر میرے زمانہ صدارت کلیہ جامعہ
عثمانیہ کے شاگرد ہیں میں اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر ملک کے مفاد
کی غرض سے کہہ سکتا ہوں کہ لایق طالب علم زیادہ تر بنانے ہی
سے بنتے ہیں۔ البتہ بنانے والے میں اتنی بصیرت ضرور ہونی چاہیے
کہ وہ دیکھے کہ کون کون طالب علم بلند پروازی کی صلاحیت رکھتے
ہیں۔ کن مضامین کے لئے ان کے دماغ موزوں ہیں اور ان کو
کس حد تک آزاد چھوڑ سکتے ہیں۔ ایسے ہونہاروں کی پرکھ کے
لئے میں نے حضرت سعدی کے ان اشعار سے سبق سیکھا ہے جو بظاہر
کسی دوسرے ہی مقصد کو پیش نظر رکھ کر کہے گئے ہیں ؛-

یکی را پسر گم شد از راحلہ	شبانگہ بگردید در قافلہ
زہر خیمہ پرسید و ہر سو شتافت	بہ تاریکی آں روشنائی بیافت
چو آمد بہ مردم کاروان	شنیدم کہ می گفت با ساربان

نہ دانی کہ چوں راہ بردم بدوست ہر انکس کہ پیش آمدم گفتم اوست

میں نے کلیہ سے ہر طالب علم کو پہلے علم کا سچا اور ترقی کا مستحق سمجھا جو اس حسن ظن کے غیر مستحق تھے جلد چھٹ گئے اور اچھے جوہر ہاتھ آ گئے۔

یہہ قابل افراد اب ملک کے مختلف سررشتوں میں اچھی خدمتوں پر مامور ہیں ان میں بعض اب بھی کارہائے تحقیق وکاوش میں مصروف ہیں۔ لیکن میری رائے میں ایسے اشخاص کی موجودہ تعداد بالکل ناکافی ہے۔ ہر مضمون میں کم از کم چار یا پنج بلند پایہ کے محقق تیار ہونے چاہئیں۔ جن کو مستقل اور موزوں خدمات ملنے تک مسلسل معقول رقمی امداد عطا ہونی چاہئیے تاکہ ان کو یک گونہ استغنا نصیب ہو اور وہ بلا فکر وتردد اپنے کاموں پر لگے رہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا کوئی ادارہ عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا تاوقتیکہ اس میں بلند پایہ کا تحقیقاتی کام مسلسل جاری نہ رہے اور یہہ کام خود اس ادارہ کی رائے میں نہیں بلکہ مستند نقادان فن کی رائے میں قابل قدر متصور ہونا چاہئیے۔ واضح ہے کہ ایسے اعلیٰ تحقیقاتی کاموں کے لئے ساز وسامان کی بھی بہت ضرورت ہے ان پر جو کچھہ روپیہ صرف ہوگا بیکار نہ جائیگا بشرطیکہ یہہ ساز وسامان تجربہ کار ماہران فن کے مشورے سے خریدا جائے اور کام کی وقتاً فوقتاً تنقید ہوتی رہے۔

دولتمند اصحاب کے اشتراک عمل کی ضرورت

اس موقعہ پر میں ملک کی ان متمول ہستیوں کو خاص طور پر مخاطب کرنا چاہتا ہوں جن کی فیاضانہ امداد سے ملک کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے۔ دور عثمانی میں ہمہ قسم کے تعلیمی اقتصادی اور رفاہ عام کے کاموں پر حکومت فیاضی کے ساتھ روپیہ خرچ کرتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن پبلک کی طرف سے اس میدان عمل میں معدودے چند خاص مستثنیات کے سوا کوئی خاطر خواہ جولانی دیکھنے میں نہیں آئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے ملک میں دولتمندوں کی کمی ہے۔ یہاں خاندانی امیروں کے علاوہ انتہا درجہ متمول ٹھیکہ داروں اور سرمایہ داروں کی ایک بڑی جماعت شان و شوکت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اگر ان حضرات کو ملک کی تعلیمی ضروریات کا احساس ہو جائے اور کارنیجی، راکیفلر، ایلفریڈ نوبیل اور لارڈ نفیلڈ جیسی فرض شناس ہستیاں انکے لئے چراغ ہدایت بن جائیں تو کیا عجب ہے کہ حیدرآباد میں بھی تحقیق و تفحص کا دریا اُمنڈ آئے اور ہمارا ملک برطانوی ہند سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔

ہماری موجودہ بے بساطی کا اس سے پتہ چل سکیگا کہ سرکاری خدمت سے وظیفہ پر علحدہ ہونے کے بعد میں نے کچھ دنوں سرعت کے ساتھ شہاب ثاقب کی طبعیات سے متعلق جو نتائج شایع کئے اس کی وجہ سے نہ صرف انگلستان و امریکہ کے

اس فن کے اداروں نے مجھکو اپنا رفیق کار بنالیا بلکہ ایک
بین الاقوامی اسکیم میں بھی مجھکو شرکت کی دعوت دی جس کے لئے
ایک خاص قسم کی دوربین کے ذریعہ چند پیچیدہ مشاہدات
مطلوب تھے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایسی دوربین
ہندوستان میں دستیاب نہ ہونے سے میں دعوت کو قبول
نہ کرسکا۔ انگلستان سے منگوانا چاہا لیکن اس کی قیمت مجھ غریب
کے دست تہہ سے بہت بلند تھی۔ لبعض مقامی متمول حضرات
کو یہہ داستان سنائی لیکن مشغلہ بیکاری سمجھہ کر کسی کی توجہ اس
کام کی طرف مبذول نہوی۔ میں اب بھی اپنے فنی کاموں میں
منہمک ہوں اور جس طرح بھی ممکن ہو علم کی خدمت کیے دیتا ہوں
کیا خوب ہوتا کہ مالی مشکلات سے نجات ملتی۔

ہمارے امتحانات

ممالک غیر کے اساتذہ کی بہتر تعلیم وتفہیم کے ساتھ وہاں
کے امتحانات کی بیشتر معقولیت کی طرف میں نے تھوڑی دیر پہلے
اشارہ کیا ہے۔ اب اس مشکل مسئلہ کی تشریح کی کوشش کرنا چاہتا
ہوں۔ تمام دنیا روتی ہے کہ امتحانات اور خصوصاً جامعات
وسررشتہ ملازمت کے امتحانات نہایت درجہ صبر آزما اور بسا
اوقات ہمت شکن واقع ہوے ہیں۔ ان کے نتائج سے الا ان
خوش قسمت امیدواروں کے جو کامیاب گردانے جاتے ہیں۔

باقی سب غیر مطمئن رہتے ہیں۔ یہ تو انسان کی نفسیات کا ایک لازمی پہلو ہے کہ جو آزمائش امید واروں کی امیدوں پر پانی پھیر دیتی ہے اس کے صحت عمل پر انکو کم اعتماد ہوتا ہے۔ اب ممتحنین کی مشکلات پر غور کیجئے۔ سوالات عموماً انھیں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جو پرچے جانچنے پر مقرر ہوتے ہیں۔ خیر اگر سوالات بنانے والے اور جوابات دیکھنے والے مختلف ہوں بھی تو اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ جوابات دیکھنے والے ممتحن امتحان کے سوالات کو اچھی طرح سمجھتے اور بآسانی حل کر سکتے ہیں جب ان کے پاس جوابات کے تودے پہنچنے لگتے ہیں اور ایک معین وقت کے اندر انکو تفصیلی نتائج مع رپورٹ وغیرہ بھیجنے کی ہدایت وصول ہوتی ہے تو سب کام چھوڑ کر وہ ان پرچوں کی جانچ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ہر امید وار کا طرز جواب الگ ہوتا ہے۔ خط خوب و زشت کے پورے پیمانہ پر حاوی ہوتا ہے اور ممتحن کی ہمدردی مختلف اوقات سحر و شام میں صحت اور موسم کے اندرونی و بیرونی اثرات کے تابع رہتی ہے۔ ایسی حالت میں سوائے ریاضی کے چند شعبوں کے جوابات کے دوسرے مضامین کے جوابات کی یکسانیت کے ساتھ جانچ بڑے سے بڑے تجربہ کار و فرض شناس ممتحن کے لئے بھی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محض امتحانوں کے نتائج پر امیدواروں کی حقیقی قابلیت کا اندازہ بسا اوقات قابل اعتماد نہیں ثابت ہوتا۔ اور بعض مصدقہ تعلیم یافتہ اشخاص کا مبلغ علم ہر قدم پر مزید تصدیق کا محتاج رہتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن مستند تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ

میں امتیاز کرنے کا کوئی ذریعہ امتحان سے آسان تر زود تر یا ارزان تر دنیا کو ابھی دستیاب نہیں ہوا۔ اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہماری جامعات کے امتحان بھی کم از کم پچھتر فیصد تک سچ ہی جانچتے ہیں

مشرقی جامعات کے امتحانوں میں سب سے بڑا اور مسلمہ عیب یہہ ہے کہ ان جامعات کے ممتحن عموماً یہہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ امید وار کون کونسی باتیں نہیں جانتا ہے اس کے برعکس مغربی جامعات کے امتحانون میں اس امر کے دریافت کی کوشش کی جاتی ہے کہ امید وار اپنے مضمون سے متعلق کیا باتیں جانتا ہے اور کس حد تک صحیح جانتا ہے اس معقول اصول پر اگر ہماری جامعات بھی کاربند ہوجائیں تو اعلیٰ تعلیم سے بہت زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے اور متعلمین کی ایک کثیر جماعت اپنے عین نمو کے زمانہ میں حسرت و یاس کے پنجہ میں گرفتار نہ ہونے پائیگی۔

تفریح کے ذریعہ تعلیم

تعلیم اگر تفریح کے ذریعہ دی جائے تو اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کم سن بچوں کے لئے تو اس کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے اور ان دلون ایسا ہی کیا جارہا ہے تو جوانون اور بوڑھون کی تعلیم کے لیے بھی اس طریقہ سے روز افزوں مدد لی جارہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایک عرصہ سے کنڈرگارٹن سسٹم جاری ہے۔ مدرسہ عالیہ میں جب یہہ شعبہ منتقل ہوا میں اس میں شریک تھا۔ مدرسہ کی اسوقت کی مناظر

قدرت کی تصویروں اور کرۂ سماوی کے نقشوں کی رعنائیت ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ کیا عجب کہ انھیں خاموش اثرات کی وجہ سے میں نے سائنس کے مختلف شعبۂ جات سے گہری دلچسپی پیدا کی اور اب مشاہدات ہئیت میں مستغرق ہوں مجھے یقین ہے کہ یہہ طریقہ دوسروں کے لئے بھی ایسا ہی محرک تفحص ثابت ہو رہا ہے

ابھی ابھی مجھکو معلوم ہوا ہے کہ امریکہ میں بارے اسکا وٹس (Boy Scouts) شہروں کے باہر اپنے کیمپ (خیمے) نصب کرتے ہیں تو ان کے سینیر رفیق مقامی ماحول کے مطالعہ کے ذریعہ انھیں ارضیات و معدنیات کے مبادیات سے جہاں تک عملاً ممکن ہو روشناس کراتے ہیں اور انکو عمدہ عمدہ نمونے جمع کرنے کا شوق دلاتے ہیں یہی طریقہ جغرافی و تاریخی معلومات کی فراہمی کے لئے بھی اختیار کیا جا رہا ہے توقع کی جاتی ہے کہ ہمارے مدارس کے بچے بھی ایسے ذرائع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

دکن کی سرزمین حل طلب مسائل کے قیمتی خزانوں کا مدفن ہے اوائل عمر سے ہی اگر متعلم ان کی تلاش میں پڑ جائے تو آگے چلکر عجب نہیں کہ وہ علم کی دنیا کے سامنے نادر انکشافات اور نئے معمے پیش کر سکیگا۔ ارضی طبیعیات سے متعلق میرے دو علمی مقالوں کا مواد ایسے ہی تفریحی وخوتوں میں فراہم ہوا۔

سفر سے بڑھکر کوئی ذریعہ انسان کے قوائے جستجو کو حرکت میں لانے کا مشکل سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ موم اور شیشہ کی بنی ہوی مخلوق کے قطع نظر اوسط جسمانی و دماغی صحت کا طالب علم سفر کی

خفیف تکالیف کو نہ صرف برداشت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے بلکہ ایک حد تک ان کا متلاشی بھی رہتا ہے اگر وہ اپنی قوت آزمائی یا اظہار ہنرمندی کے جذبات کو معقولیت کے حدود سے متجاوز ہونے دے اور خواہ مخواہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر اپنے والدین اور رفقار کو مصیبت و تکلیف میں گرفتار نہ کرائے تو تفریحی سفر انکے لئے تعلیم و تربیت کے خداداد مدرسے بن سکتے ہیں۔ تحمل خودداری فرض شناسی بڑوں کی اطاعت رفقار کی امداد کفایت شعاری اور بلند ہمتی یہ سب چیزیں مہذب ساتھیوں اور روشن خیال ہادی کی صحبت میں سیکھی جاسکتی ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اکثر مدارس میں اب تفریحی سفر منظم طریقوں پہ رائج ہورہے ہیں۔

متحرک تصاویر کے ذریعہ بھی مغربی ممالک کے اکثر مدارس میں طلبہ کو مفید تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ تصویریں متحرک تعیش یا مخرب اخلاق قصوں کی ترجمانی نہیں کرتی ہیں بلکہ سائنس کی جدید انکشافات ارضی و سماوی مظاہر اور مختلف ممالک کے صنعتی و اقتصادی خصوصیات نہایت سلیقہ مندی کے ساتھ دیکھنے والوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اگر ان کو ایک مصور درسی کتاب سمجھ کر توجہ اور فکر کے ساتھ انکا مطالعہ کیا جائے تو اپنیر جو روپیہ صرف ہوتا ہے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔ ورنہ اگر ان سے محض دل بہلانے کا کام لیا جائے تو ان کا استعمال نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ جس طرح افلاطوں وارسطا طالیس کے زمانہ میں صحیح تھا اب بھی یہ مقولہ صحیح ہے کہ تعلیم کے لئے کوئی شاہی راستہ اختراع نہیں کیا جاسکتا۔

جسمانی تربیت اور ورزش

چند ہی ماہ قبل میں نے فزیکل ایجوکیشن ان جرمنی کے نام سے سرکاری طور پر لندن سے شائع کردہ ایک رسالہ کا مفصل مطالعہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ جرمنی حکومت سرگرمی کے ساتھ سائنس کی تحصیل میں مصروف ہے اس کے برابر برابر نوجوانانِ ملک کی جسمانی تربیت پر بھی روپیہ اور توجہ صرف کر رہی ہے خود رعایا کی جانب سے متعدد قاعدہ انجمنیں قایم ہیں جنہیں متفقہ طور پر کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی جرمن بچہ کمزور نہ رہ جائے یا اس کی جسمانی صحت والدین کی کم مائگی سے معرض خطر میں نہ پڑ جائے۔ اگرچہ اس گرمی کا اصلی منشا ملک کو متوقعہ یا منتظرہ جنگ کے لئے تیار کرنا ہے۔ لیکن۔ قومیت کی تعمیر اور ملک کی تندرستی کو اس تحریک سے جو فوائد پہنچ رہے ہیں محتاج بیان نہیں ہیں۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ کسی سے لڑنے بھڑنے کے خیال سے نہیں بلکہ صحت جسمانی کے تحفظ کی غرض سے ہمارے ملک میں بھی ایسے ادارے باجانت سرکار قایم کئے جائیں تو بہت اچھا ہوگا۔

تعلیم اناث اور اسکی روزافزوں اہمیت

اسلام کے زمانۂ عروج کے متمدن ممالک کے سوا تمام دنیا میں سب جگہ عورتوں کو مردوں کے ہم پلہ حقوق سالہا سال کی کوششوں اور جھگڑوں کے بعد ہی مل سکے اور ابھی تک مل رہے ہیں۔ تہذیب کے ابتدائی دور میں مردوں نے عورتوں کو مروج الوقت تقسیم کار کے مفروضہ پر اپنی دماغی قوت اور ذمہ داریوں کو زیادہ اہمیت دیکر عورتوں کے لئے جو قواعد وضوابط نافذ کئے انکیں اولاً طبقۂ اناث کو تعلیم کی نعمت سے یک گونہ محروم رکھنا ہی مناسب سمجھا گیا۔ آہستہ آہستہ جب معلوم ہونے لگا کہ اوسط عورت کا دماغ بھی تعلیم کے لئے بڑی حد تک ایسا ہی موزوں ہے جیسا کہ اوسط مرد کا اور تعلیم کی اشاعت عام طور پر بڑھنے لگی تو بتدریج عورتوں کو بھی حصول علم کے موقعے دئیے جانے لگے۔ ہندوستان میں بھی نسوانی تعلیم کا رفتار اسی طریقہ پر ہوا۔ اور اب ریاست ٹرانکور صوبہ جات بنگال، مدراس وبمبئی وغیرہ میں اچھی خاصی تعلیم یافتہ عورتیں کافی تعداد میں پیدا ہو رہی ہیں۔ حیدرآباد نے بھی گذشتہ چند سال سے اپنے ہاں اس تعلیم کی رفتار کو تیز کردیا ہے۔ لیکن جس طرح دورحاضر کے مدبر مردوں کو اعلیٰ تعلیم کی قربان گاہ پر اپنے آپ کو ہلاک کرتے دیکھ کر ہراساں ہورہے ہیں، وقت آرہا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے لئے بنائے ہوئے نصاب تعلیم کی ڈگریاں اور اسناد لیکر گھر سے باہر بھٹکتے دیکھ کر

انسانی ارتقاء کے محقق حیران و پریشان رہ جائیں کہ آخر اس گمراھی کا نسل انسان کی ذہنی و اخلاقی تربیت پر کیا خطرہ ناک اثر پڑیگا۔

میرا ہرگز یہہ خیال نہیں کہ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم سے روکا جائے مجھکو تو اس بات پر اصرار ہے کہ جن لڑکیوں نے ابتدائی و ثانوی مدارج سے گذرتے وقت تعلیم کے اساسی مضامیں، یعنے لسانیات، ریاضی سائنس، تاریخ جغرافیہ وغیرہ سے اپنا خاص میلان طبع ظاہر کیا ہو اور شوق تکمیل ان کو جامعہ کی طرف لیجانا چاہتا ہے تو ان کے لئے ہر طرح کی سہولیتیں پیدا کی جانی چاہئیں تاکہ وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ سکیں میڈام کیوری (Curie) اور سونجا کووالیوسکی (Sonja Kowalewski) جیسی عورتوں کی زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعات اور ریاضی جیسے اناث کے لئے عموماً غیر مانوس فرض کردہ مضامیں بھی بعض عدیم معراج کمال کو پہنچ سکتی ہیں۔ کیمیا، نسوانی طب، موسیقی، انشا پردازی اور سخن گوئی تو فطرتاً ان کے ذوق و ذہنی جولانی کے مسلمہ میدان ہیں۔

بریں ہمہ یہہ ضرور ہے کہ لڑکیون کو زیادہ تر ان کی ضروریات زندگی کی مناسبت ہی سے تعلیم دلائی جائے تاکہ ان کی آیندہ زندگی تلخ نہ ہو جانے پائے۔ ابتدائی و ثانوی دور ختم کرنے کے بعد ان کو معیشت خانہ داری، سوزن کاری، حفظان صحت، طب نفسیات پرورش و تربیت اطفال وغیرہ کی تعلیم دلاکر اگر انکی ایسی خواہش ہو تو طیلسان عطا کئے جائیں۔

تا وقتیکہ آدمی کی ذہنیت میں زبردست انقلاب نہ پیدا

ہو یا انسانی معاشرت بالکلیہ نہ بدل جائے عورتوں کا پسندیدہ ترین پیشہ خانہ داری ہی رہے گا۔ اس لئے ان کو بذریعہ تعلیم زیادہ تر اسی کام کے لئے تیار کرانا مناسب ہو گا۔ مگر غیر معمولی حالات یا میلان طبع کے لحاظ سے ان میں سے کچھ فیصدی اگر خانہ داری کے ساتھ یا اس کے بغیر مشغلہ طبابت، تصنیف و تالیف یا کوئی قومی خدمت اختیار کرنا چاہیں تو موزونیت کا اطمینان ہونے پر ان کے سرپرستوں کی رضامندی سے ان کو ان مشاغل کی بھی تعلیم دی جا سکتی ہے ہر حالت میں عورتوں کو بھی مردوں کی طرح تمدن و معاشرت کے لحاظ سے ایک مقررہ درجہ تک عام تعلیم ملنی چاہئیے تاکہ انسان ایک معین معیار تہذیب سے اترنے نہ پائے کوئی مذہب ایسی تعلیم کا مخالف ہو گا۔ اگر نسوانی حیا اور انسانی اخلاق کے اصول مسلمہ کا پورا احترام کیا جائے۔

عورتوں کے مدارس میں انکی دماغی تربیت کے ساتھ انکی جسمانی صحت کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئیے۔ اس لئے مدارس کے ساتھ کھیل کے میدان اور باغ بھی مہیا ہونے چاہئیں تاکہ انکی فضا میں امیر و غریب ہر قسم کی بچیوں کی صحت درست رہ سکے۔

ترقی تعلیم اور پبلک کی طرف سے مساعی

میں نے ہندوستان کے تعلیمی مسائل کا ذکر کرتے وقت یہہ کہا تھا کہ میری کوشش ہو گی کہ بتاؤں کہ پبلک تعلیمی کاموں میں کیا

دلچسپی لے سکتی ہے اور کس طرح حکومت کا ہاتھ بٹا سکتی ہے - اپنی تقریر اسی بحث پر ختم کرنا چاہتا ہوں -

حکومت کی شائع کردہ اطلاعوں (مثلاً رپورٹ ہائے نظم ونسق وغیرہ) سے عوام کو معلوم ہو سکتا ہے کہ سرکار کی جانب سے اغراض تعلیم پر کتنا روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے اور کیا تجاویز حکومت کے زیر غور رہتے ہیں - جنوری ۱۹۳۷ء میں جبکہ انڈین سائنس کانگریس کا اجلاس حیدرآباد میں منعقد ہوا تھا پروفیسر میگنا تھ ساہا کی خواہش پر میں نے حیدرآباد کے عنوان سے سائنس اینڈ کلچر (Science and Culture) کی اس ماہ کی اشاعت میں ایک مختصر مضمون شائع کیا تھا جس میں ریاست کی تاریخی جغرافی مالی و دیگر انتظامی حالات پر روشنی ڈالی گئی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ ملک میں تعلیم کس سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے - ابتدائی ثانوی، فنی نسوانی اور اعلیٰ تعلیم وغیرہ پر کیا صرف ہو رہا ہے اور تعلیم کے متعلق حکومت کا نصب العین کیا ہے اس رپورٹ کے ذریعہ ملک کی بیداری اور علی الخصوص دور عثمانی کے برکات کا علم ہندوستان کے ممتاز تعلیم یافتہ حلقوں میں سرایت کر گیا - اس خاص ماہ کا پرچہ اب بھی رسالہ کے آفس سے جو کلکتہ میں واقع ہے دستیاب ہو سکتا ہے اس اشاعت کی وجہ سے میں نے اپنے موجودہ خطبہ میں ان امور کو دہرانا نہیں چاہا جنپر رپورٹ مذکور میں تبصرہ کیا گیا ہے -

حکومت کی طرف سے تعلیم کی جانب جو توجہ کی جا رہی ہے اس کے مقابلہ میں پبلک کا اس کام میں حصہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا -

جاگیردار کالج مدرسہ نظامیہ مدرسہ علیہ قادریہ مدرسہ مفید الانام ویویک وردھنی اور اضلاع کے
کے چند امدادی مدارس وغیرہ جن کے چلانے میں سرکاری امداد کو
بھی بڑی اہمیت حاصل ہے عوام کی تعلیمی مساعی کا بہترین نمونہ تصور
کئے جاسکتے ہیں۔ میں مدرسہ اعزہ، مدرسہ آصفیہ، مدرسہ اسلامیہ
سکندرآباد، مدرسہ علیہ قادریہ ملک پیٹھ۔ وغیرہ کی مجالس انتظامی
کے رکن کی حیثیت سے ان کے کاروبار اور ترقی رفتار سے بخوبی واقف
ہوں اور بخوشی کہہ سکتا ہوں کہ یہ ادارے ملک کی خدمت میں
اپنی بساط کے موافق بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر کوشش کر رہے ہیں
امید کی جاتی ہے کہ امرار و متمول بزرگان ملک امدادی مدارس
میں مزید دلچسپی لیں گے اور کم از کم ان کے کتب خانوں، آلات
سائنس اور کھیل کے سامان وغیرہ کے اخراجات کا بار ہلکا کر کے
اپنی فیاضی کا ثبوت دیں گے۔

معمر اشخاص کی تعلیم کا مسئلہ بھی متمدن ممالک کے لئے
بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ میری رائے میں اس مسئلہ کا بہترین حل
مناسب کتب خانوں کا قیام ہے جن میں روزانہ یا ہفتہ واری اخبارات کے علاوہ دور حاضر
کی کلچرل کتابیں بھی خریدی جانی چاہئیں جو جامعیت وصحت بیان اور ارزانی قیمت کے
لحاظ سے عصر جدید کی بہترین پیداوار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ زمانہ
عشق و عاشقی ہنرمند مکاروں اور تعلیم یافتہ چوروں کے قصے
پڑھکر دل بہلانے کا نہیں ہے۔ اور اس لئے بہت لوگ آجکل ایسی
کتابوں کے لکھنے کی زحمت ہی نہیں اٹھاتے۔ سائنس اور فلسفہ
جو اب تک ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ رہتے تھے اور

سمجھا جاتا تھا کہ جہاں ایک علم ختم ہوتا ہے وہاں سے دوسرا شروع ہوتا ہے، حالیہ تجربی و مشاہداتی معلومات کی روشنی میں ایک دوسرے کیساتھ پہلو بہ پہلو چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا عجب کہ آئندہ پچیس پچاس سال میں یہ باہمدیگر مربوط ہو جائیں گے۔ اندلون مشاہیر عالم اسی نوع کی کتابوں پر اپنے دماغی قوائے صرف کر رہے ہیں۔ تاریخ جو پہلے کسی ایک قوم یا ملک کی شان و شوکت کا نقارہ پیٹنے کے لئے لکھی جاتی تھی اب انصاف کی کوشاں اور حقیقت کی متلاشی نظر آرہی ہے جنگجو اور جنگ پسند مدبروں کے افتراقی تجاویز کو توڑ کر اقوام عالم کے دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے سائنس اور فلسفہ کے اساسی کلیات سے مدد لی جا رہی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ عوام ایسے سنجیدہ خیالات سے متاثر ہو کر اپنے اخلاقی زور سے دنیا کو اُس تباہی سے بچا لیں گے جو سائنس ہی کے خالص فنی اور صداقت پر مبنی مستخرجات کے غلط استعمال سے پھیلتی جا رہی ہے۔ مختلف اقوام کو ایک دوسرے سے مانوس و متحد بنانے کے لئے ایسی کتابوں کے مطالعہ سے سہل تر کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ جہل اور بیجا استعمال علم سے تہذیب انسانیت کی شکست کی جو خطرناک تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آرہی ہے عوام الناس کے صحیح علم حاصل کرنے ہی سے رفع ہو سکتی ہے اور اس کے لئے اچھی کتابیں ہی موثر ثابت ہونگی۔ کارلائیل (Carlyle) کا مشہور مقولہ کہ کتب خانے ہی دنیا کی سب سے بڑی اور حقیقی جامعات ہیں جیسا اس زمانہ کے لئے صحیح ثابت ہو رہا ہے ویسا کبھی نہیں ثابت ہوا تھا۔ توقع کی جا رہی ہے کہ ریاست حیدرآباد کا سب سے بڑا

کتب خانہ یعنے کتب خانہ آصفیہ اپنے دیرینہ روایات پر قایم رہ کر عوام کی ایسی ہی رہبری کریگا۔ مناسب ہوگا کہ اضلاع میں بھی اس نوع کے کتب خانے کھولے جائیں جن کی قبل ازین توضیح کی جاچکی ہے تاکہ فرقہ وارانہ لٹریچر سے لوگ پیچھا چھڑائیں اور اتحاد کا سبق سکھانے والی کتابوں کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں۔ میری رائے میں پبلک کے چندوں سے ایسے کتب خانے قایم کرنا مناسب ہوگا۔ سرکار عالی بھی ممکن ہے کہ اس کار خیر میں کچھ مدد دیگی۔

پبلک کی امداد نہ صرف معمر اشخاص کی عام تعلیم کیلئے کارآمد ہوسکتی ہے بلکہ اس سے اعلیٰ درجہ کے تحقیقات کام بھی انجام پاسکتے ہیں کلکتہ کی انڈین اسوسیشن فار کلٹی ویشن آف سائنس

The Indian Association for Cultivation of Science

ایک غیر سرکاری ادارہ ہے جس کا قیام ہندوستان کے لئے تجربی تحقیقات کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔ اس کے وجود سے پہلے سرکاری کالجوں وغیرہ کے تجربہ خانوں میں جامعات کے امتحانوں کی حد سے آگے تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ تحقیقاتی کاموں کے لئے ان میں آلات سائنس اور ضروری ساز وسامان فراہم کرنے کی استطاعت نہ تھی اس لئے محبان قوم نے ایک تشفی بخش رقم جمع کی اور اس کے منافع سے ہونہار محققین کو انکے خاص خاص مسائل حل کرنے کا موقعہ عطا کیا۔ یہہ ادارہ چند ہی سال میں نہایت کامیاب ثابت ہوا چنانچہ ہندوستانی محققین کے سب سے پہلے جو ہندوستانی کام علمی دنیا کے سامنے پیش کئے گئے۔ اسی ادارے میں انجام پانے کے بعد اس کے رسالہ میں چھپ کر شایع ہوئے۔ اگر ملک کے بلند

ہمت ارباب چاہیں تو ایسا ایک ادارہ حیدرآباد میں بھی قایم ہوسکتا ہے اس میں وہ لوگ اطمینان کے ساتھ کام کر سکیں گے جنکا تعلق بدقسمتی سے حکومت کے کسی کلیہ یا رصدگاہ سے نہیں ہے لیکن جن کا علمی انہماک اور جذبہ تحقیق انکو بیکار رہنے نہیں دیتا۔ میں نہایت خوشی سے قطعاً بلامعاوضہ ایسے ادارہ میں ہونہار کام کرنے والونکی رہنمائی کے لئے تیار ہوں۔ سائنٹفک تحقیق تجربہ خانہ اور رصدگاہ بغیر ہو نہیں سکتی ورنہ اب تک بہت کچھ ہوگیا ہوتا۔

ادارہ ادبیات اردو جس کے اڈیٹر ورفقا زیادہ تر میرے ہی زمانہ صدارت کلیہ جامعہ عثمانیہ کے بہترین طالب علم تھے اور اب اپنی علمی قابلیت، تصنیفات و تالیفات کی بدولت ہندوستان بھر میں شہرت پا چکے ہیں اپنی ہی جماعت کے سرمایہ اور تھوڑی سی بیرونی امداد کے ساتھ نہایت کامیابی کے ساتھ ملک کے ادبی خدمات انجام دے رہا ہے، جیسا کہ اس کی مطبوعات کے ملاحظہ سے واضح ہوگا۔ اگر ارباب ہمت ذرا سی کوشش کریں تو سائنٹیفک تحقیقات میں بھی حیدرآباد جلد بازی لے جا سکیگا۔ مصروف عمل دماغ کو حل طلب مسائل کی کمی نہیں اور آزمودہ ہمت اور دیرینہ تجربہ جب اطمینان کے ساتھ کسی کام پر لگ جاتے ہیں تو انکی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

آخر میں ہمارے آقائے ولی نعمت حضرت سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس دی نظام آف حیدرآباد اینڈ برار

نواب میر عثمان علیخان بہادر خلداللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

کے عمر و اقبال کی ترقی کے لئے دعا کرتا ہوں جن کے سایہ عاطفت میں ہر مذہب و ملت کے لکھوکھا بندگان خدا نہ صرف امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ ہر طرح کے آرام و آسایش سے بھی مستفیض ہو رہے ہیں۔ حضرت بندگان عالی کے مبارک دور سلطنت میں علم و حکمت کو جو فروغ ہوا ہے اور رفاہ عام کے جو کام انجام پا رہے ہیں انکی مثال شاید ہی کہیں مل سکیگی اللہ تعالی حضرت ظل اللہ کو ہر عزم میں کامیاب اور ہر میدان عمل میں فتحمند کرے۔ شاہزادگان بلند اقبال اور خانوادہ شاہی کے جملہ اراکین کو خوش و خرم رکھے اور ہم اور ہماری آنے والی نسلوں کو خاندان آصفی کے وفادار خدمت گذار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔